# Al-Azhār

ISSN (Print): 2519-6707

Volume 7, Issue 2(July- December, 2021)

Issue:http: http://www.al-azhaar.org/index.php/alazhar/issue/view/17

URL: http://www.al-azhaar.org/index.php/alazhar/article/view/252

Article DOI:https://doi.org/10.46896/alazhr.v7i02.252


**Title** Political issues of Rohingya Muslims and proposals for their solution,”


**Author (s):** Abrar ullah, Dr Shabana Nazar, Fahmeeda Bibi



**Received on:** 29 July, 2021

**Accepted on:** 29 November, 2021

**Published on:** 25 December, 2021

**Citation:** Abrar ullah, Dr Shabana Nazar, Fahmeeda Bibi, “"Political issues of Rohingya Muslims and proposals for their solution,”” Al-Azhār: 7 no, 2 (2021): 99-119

**Publisher:** The University of Agriculture Peshawar



Click here for more

# برما میں روہنگیا مسلمانوں کے سیاسی مسائل اور ان کے حل کے لئے تجاویز

# Political issues of Rohingya Muslims and proposals for their solution

* ابرار اللہ

** شبانہ نذر

*** ڈاکٹر فہمیدہ بی بی

**ABSTRACT**

*Muslims have been living for decades in Burma. But, in the mid of 20th century, at the time of Indian partition, struggle to become part of Pakistan, then movement to become an independent state, feelings of doubt and mistrust about Rohingya increased in Burma. In different times, riots of various intensity happened but since their freedom to 1982, Rohingya the too were considered part of Burma. However, with a referendum 1982 law of nationality, one hundred and thirty five racial groups were awarded Burmese nationality but Rohingya racial group was stripped off nationality. In the next year, meaning 1983, they were not even counted in the census. Myanmar government holds plea that these people, by race and history, are Bengalis. Since Rohingya don't fall in the recognized one hundred and thirty five racial groups; therefore, they are not even regular citizens of Burma. And from legal point of view, they are illegal exiled citizens of Bengal who are living in Rakhine state of state of Burma under its favor. Bangladesh holds a plea that as per history, they have never been citizens of Bangladesh. They are Burmese people; therefore, Bangladesh is not ready to accept them as their own people. Rohingya are forced to live in dilapidated/worst conditions in Burma. They are facing many political issues along with religious and social issues. In this article, their, Rohingya, political issues and proposals for their solution will be put forwarded.*

***Keywords:*** *Rohingya Muslims, Burma, Buddhist, Political issues*

..........................................................

* پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

*** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ وعربی، یونیورسٹی آف صوابی، صوابی

گزشتہ کئی دہائیوں سے قانونی تفریق، سماجی تحقیر اور مذہبی منافرت کے شکار روہنگیا برادری اپنے ہی ملک میں روز بروز اجنبی تر ہوتی گئی۔ وہ زندگی کے تمام تر حقوق و مراعات سے محروم ہے۔ بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہونے کے باعث سماجی جرائم میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ یہ اضافہ ان کے بارے میں پہلے سے قائم متعصب مفروضات کو تقویت بخشتا گیا۔ یوں لاوا پکتا رہا، گلی محلے میں پیش آنے والی لڑائیوں سے لے کر گروہی جھگڑوں تک ہر گزرتے واقعے نے اس آتش فشاں کو گرمایا۔ اگرچہ ماضی میں ان کی برادری کے لوگ وزیر مشیر اور اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ حکومت میں اہم منصب پر معمور رہے۔ مگر تمام تر حقوق چھین جانے کے ساتھ ساتھ ووٹ اور سیاسی جماعتوں سے بھی محروم ہو گئے۔

**۱۹۴۷ء کے انتخابات کے لئے اندراج اور اراکان کے مسلمان:**

۱۹۴۵ء میں برما کے مسلمانوں نے اپنے تحفظ کیلئے برما مسلم کانگریس (بی ایم سی) کے نام سے ایک سیاسی تنظیم بنائی۔ اس کے پہلے سربراہ "یو رزاق" تھے۔ وہ برما کی آئینی کونسل کے رکن بھی منتخب ہوئے۔ یو رزاق کو بعد ازاں قتل کر دیا گیا اور بی ایم سی پر پابندی لگا دی گئی۔

Razak was subsequently appointed Minister of Education and Planning in Aung San's government, a post he held until he was assassinated alongside San.[1]

ترجمہ: رزاق کو بعد میں آنگ سان کی حکومت میں وزیر تعلیم اور منصوبہ بندی کا وزیر مقرر کیا گیا، وہ اس عہدے پر فائز رہے۔ جب تک کہ سان کے ساتھ مل کر اسے قتل نہیں کیا گیا۔

۱۹۴۷ء میں ملک بھر میں پہلے عام انتخابات کیلئے اندراجات کیے گئے تاکہ دستور ساز مجلس منتخب کی جائے۔ برمی حکام میں بطور خاص اراکان کے مسلمان علاقوں کو مشکوک شہری ہونے کا جھوٹا الزام لگا کر اندراج کے حق سے دیدہ و دانستہ محروم رکھا۔ جنگ عظیم دوم کے بعد برما کو آزادی دینے کا فیصلہ ہوا اور آزادانہ الیکشن کرائے گئے تو جنرل آنگ سان کی راہ نمائی میں ملک کا دستور مرتب کیا گیا مگر اس دستور میں مسلمانوں کے حقوق کا کسی حوالہ سے بھی کوئی ذکر نہیں ہوا۔ حالانکہ مسلمان برما میں خاصی تعداد میں موجود تھے، اس الیکشن میں اراکان سے پارلیمنٹ کے دو مسلم ممبر جناب سلطان احمد بی اے اور مسٹر عبد الغفار بی اے منتخب ہوئے مگر انہیں مختلف حیلوں بہانوں سے اجلاس میں شریک ہی نہیں ہونے دیا گیا اور اس دوران مسلمانوں نے دستور سازی کے

سلسلہ میں جو مطالبات پیش کیے تھے انہیں بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔

"اراکان اور برما کے دیگر حصوں میں آباد روہنگیا مسلمانوں کے بارے میں یہ پراپیگنڈا شروع کیا گیا کہ یہ برما کے اصل باشندے نہیں ہیں اس لیے انہیں برما سے چلے جانا چاہیے۔ اور اس کے بعد مسلسل ایسی پالیسیاں اختیار کی جاتی رہیں جن کے باعث روہنگیا مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئی اور مختلف مسلمان ملکوں میں پناہ گزین ہوئی۔"[2]

جن میں بڑی تعداد بنگلہ دیش، پاکستان، سعودی عرب اور ہمسایہ ممالک میں رہائش پذیر ہوئیں۔ اور ایک بڑی تعداد میں پناہ گزین کیمپوں میں اب بھی انتہائی ناخوشگوار حالات میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

برما کی آزادی:

۱۹۴۸ء میں برما آزاد ہو گیا شمالی اراکان کے برطانوی ایڈ منسٹریٹر نے جنگ عظیم دوم میں کامیابی کے بعد اور برصغیر کی آزادی

کے آرام سے قبل شمالی اراکان کے بعض اہل علم اور سیاسی شخصیات کو یہ پیشکش کی تھی کہ وہ اگر برطانوی حکومت کو شمالی اراکان کی علیحدگی کی درخواست کرے تو ان کی یہ درخواست قبول کر لی جائے گی، لیکن اراکان کے مسلمانوں نے ایسا کوئی باقاعدہ مطالبہ نہیں کیا شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ:

"۱۹۴۷ء میں برما کے حوالے سے ایک قومی کانفرنس منعقد کی گئی تھی جس میں یہ طے پایا تھا کہ برما کا آزاد وفاق یونین آف برما قائم کیا جائے گا۔ برما کے سارے صوبے اور ریاستیں اس میں شامل ہو گی البتہ دس سال گزرنے کے بعد ان صوبوں اور ریاستوں کو یہ حق حاصل ہو گا کہ چاہیں تو آزاد وفاق یونین آف برما میں شامل رہیں اور چاہیں تو علیحدہ ہو جائیں۔"[3]

بدھ اکثریت کے اس ملک میں روہنگیا کے اندر اس وقت بے چینی پیدا ہو جائی جب کوئی ایسا قانون بنایا گیا، ایسی اصلاحات نافذ کی گئی جو مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف تھیں۔ مثلاً

"ستمبر ۱۹۵۴ء میں ملک میں ایک سیاسی بحران پیدا ہو گیا جس کے باعث سرکاری مدارس میں اسلامیات کی تعلیم کے خلاف بھکشوؤں کا احتجاج تھا۔"[4]

اور یہ تمام منصوبے برما میں اسلام و مسلمان کو ختم کرنے کے لئے کئے جاتے تھے۔ روہنگیا کے لوگ

جو پہلے ہی سے کمزور اور بے بس تھے ان کو ہر طریقے سے ختم کرنے کی بھرپور کوششیں جاری رکھیں جو تاحال جاری ہیں۔

برما کی آزادی اور اراکان کا معاملہ:

اراکان جو کہ ماضی میں ہر لحاظ سے ایک علیحدہ ریاست رہی تھی اور مختلف ادوار میں اس پر برمیوں، منگولوں، مغلوں، انگریزوں اور جاپانیوں نے حملے کئے آخر میں انگریز قابض ہوئے۔ آزادی سے قبل پنگ لونگ[5] معاہدے کے ذریعے مختلف قومیتوں کی برما میں شامل ہونے کے حوالے سے رائے لی گئی تھی۔ اراکان سے بدھوں کو نمائندگی دی گئی جبکہ مسلمانوں کو جو کہ اس خطے کے اصل و قدیم باشندے تھے دیدہ و دانستہ محروم رکھا گیا۔

جب اونو وزیر اعظم بنا تو اس نے مسلمانوں کو مساوی حقوق دینے کا وعدہ کیا۔ اراکانی مسلمانوں کو ملکی باشندہ تسلیم کیا۔ لیکن اس نے مسلمانوں کو ہر ممکن نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کی۔

اونو کے دور میں برمی حکام کے ظلم و ستم سے تنگ آکر وسط جنوری ۱۹۵۰ء میں تقریباً تیس ہزار افراد ہجرت کر کے مشرقی پاکستان چلے گئے۔[6]

مسلمان اپنی بقا کی خاطر ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ اور ہمسایہ ممالک میں پناہ لی، جن میں پاکستان، ملائشیا، انڈیا اور سعودی عرب تک چلے گئے۔

برما مسلم کانگریس کا خاتمہ اور اسلامی مذہبی امور کی کونسل کا قیام:

برمنائزیشن کو یقینی بنانے کے لئے برما کے نسل پرست حکمرانوں کا اصل ہدف اسلام کو ختم کرنا ہے۔ مسلمانوں کو اسلام کے راستے سے دور کرنے کے لیے ان کے خلاف شدید اقدامات کیے گئے۔ برما کی تحریک آزادی میں برما میں مسلمانوں کی ایک تنظیم برما مسلم کانگریس میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ ۱۹۵۰ء میں یہ تنظیم وزیر اعظم برما مسٹر اونو کے فرمان پر حکماً توڑ دی گئی۔ اس کی جگہ ۵ دسمبر ۱۹۵۴ء "اسلامی مذہبی امور کونسل"[7] کے نام سے ایک نیم سیاسی مذہبی تنظیم قائم کر دی گئی۔ جس کے صدر اس وقت کے وزیر عدل مسٹر عبد اللطیف اوکھن مونگ لا تھے ۔ برما میں علماء کی واحد تنظیم جمعیت علماء برما جو بیسویں صدی کے آغاز سے برما میں دینی اور اصلاحی کام کرتی ہے، اس نے بھی اس تنظیم کے ساتھ مل کر کام کرنے کا فیصلہ کیا اور جمعیت علماء کے اس وقت کے صدر مولانا ابراہیم

احمد مظاہری مرحوم اس تنظیم کے نائب صدر کا عہدہ قبول کر لیا۔

درحقیقت اس تنظیم پر قوم پرست عناصر کا غلبہ تھا۔ برما خاص کے مسلمان چونکہ بدھ اکثریت میں رہ رہے تھے لہٰذا ان کی ثقافت اور انداز میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ اس کو نسل میں موجود قوم پرست عناصر نے مسلمانوں کی نئی نسل کو قوم پرستی کی راہ پر ڈالنے اور ان کے اسلاف کی راہ سے ہٹا کر محض برائے نام مسلمان بنانے کی بھرپور کوشش کی۔

"۱۹۵۶ء میں علماء پر یہ مکمل طور پر واضح ہو گیا کہ اس تنظیم کے ساتھ چلنا قطعی ناممکن ہے۔"[8]

بڑھتے ہوئے سیاسی بحران میں انہوں نے حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ نمایاں اختلافات کو حل کرنے کے لئے ایک وفاقی سیمینار طلب کرے۔ یہ باور کراتے ہوئے کہ اونو حکومت کا مختلف قومیتوں کے مطالبات کو تسلیم کرنا ناگزیر ہے۔ جنرل نیون (برمی فوجی سربراہ) نے جو برمی اقتدار اعلیٰ کی قیمت پر ایسی کسی چیز کا وجود پسند نہیں کرتا تھا۔ ۲ مارچ ۱۹۶۲ء کو وفاقی سیمینار کے اختتام سے ذرا پہلے ایک غیر خونی بغاوت کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ جنرل نیون برما کے سیاہ و سفید کا مطلق العنان مالک بن گیا۔

برما میں فوجی حکومت:

۲ مارچ ۱۹۶۲ء کو جنرل نیون نے حکومت کا تختہ الٹ کر انقلابی حکومت قائم کی اور صدر کا عہدہ سنبھال لیا۔ سرکاری ذرائع نے اسے پرامن انقلاب کہا لیکن اس انقلاب کے خلاف شدید عوامی رد عمل سامنے آیا۔ رنگون یونیورسٹی میں ہنگامے پھوٹ پڑے۔ یہ ہنگامہ جولائی ۱۹۶۲ء میں شروع ہوئے تو امن و امان بحال کرنے کے لیے وہاں فوجی دستے روانہ کر دیئے گئے۔ ان ہنگاموں کے بعد رنگون یونیورسٹی سمیت ملک کی تمام یونیورسٹیاں بند کر دی گئیں جو دو سال بعد ستمبر ۱۹۶۴ء میں دوبارہ کھولی گئیں۔

جنرل نیون نے واضح طور پر کہا کہ پارلیمانی طرز حکومت برما کے لیے موزوں نہیں ہے۔ انقلابی حکومت نے ملک کا آئین منسوخ کر دیا۔ انقلاب کے بعد پانچ منٹ کی ریڈیو تقریر میں جنرل نیون نے یہ بھی کہا۔

If these disturbance were made to challenge us, have to declare that we will fight sword with sword and spear with spear.[9]

ترجمہ: اگر یہ بگاڑ ہمیں للکارنے کے لئے کیا گیا ہے تو ہمیں یہ اعلان کرنا پڑے گا کہ ہم تلوار سے تلوار اور نیزہ نیزے سے لڑیں گے۔

جنرل نیون برما سوشلسٹ پروگرام پارٹی بی ایس پی پی کا بانی تھا۔ ۱۹۶۴ء میں اس جماعت کو برما کی واحد جماعت قرار دیا گیا اور دیگر تمام سیاسی جماعتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ جنرل نیون نے ۱۹۸۱ء میں صدارت چھوڑ دی تھی، لیکن ۱۹۸۱ء تک وہ ملک کی طاقتور شخصیت اور پارٹی رہنما کے طور پر سیاسی فیصلوں پر اثرانداز ہوتا رہا۔

جنرل نیون کے دور (۱۹۶۲ء تا ۱۹۸۱ء) میں کچھ اچھے فیصلے بھی ہوئے۔ لیکن بحیثیت مجموعی آمریت کا یہ دور خوفناک ثابت ہوا، بدھ عوام کے لیے بھی اور مسلم و غیر مسلم اقلیتوں کے لیے بھی۔ اس آمرانہ دور میں اراکان کے روہنگیا مسلمانوں کو خاص نشانہ بنایا گیا۔ حج اور قربانی پر پابندی عائد کر دی گئی، قرآن مجید اور کسی بھی مذہبی لٹریچر کی اشاعت پر پابندی لگا دی گئی۔ باجماعت نماز کی ادائیگی پر سزا دی جاتی تھی، نصاب سے اسلامی تعلیمات خارج کر دی گئیں۔ اس کے ساتھ ہی اردو کے تمام اخبارات و جرائد کی اشاعت روک دی گئی ۔ ۱۹۸۲ء کا قانون شہریت تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا۔

حقوق انسانی کی اس کھلی خلاف ورزی پر اراکان کے مسلمانوں میں شدید رد عمل پیدا ہوا۔ روہنگیا مسلمانوں کی چند مقامی تنظیمیں تھیں جو ان کی فلاح و بہبود اور حقوق کی پاسبانی کے لیے کام کر رہی تھی۔ مثلا روہنگیا سالیڈیٹری آرگنائزیشن RSO اس کا قیام نوآبادیاتی دور میں ۱۹۱۲ء میں ہوا تھا۔ یہ کوئی فرقہ وارانہ جماعت نہیں تھی بلکہ قومی حقوق کے حصول اور ناانصافی کے خلاف جدوجہد کر رہی تھیں۔ دوسری تنظیم حرکت الجہاد الاسلامی اراکان ہے۔ اس پارٹی کا ترجمان ماہنامہ "آباد" تھا جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ عسکری تنظیم ہے۔ ایک اور عسکری تنظیم ARSA ہے جس کے بارے میں برما کے سفارتخانے نے یہ اطلاع دی کہ انہوں نے ۲۵ اگست ۲۰۱۷ء کو ۳۰ پولیس چوکیوں اور شمالی اراکان کے علاقے منگڈاؤ میں ایک فوجی اڈے پر حملے کئے، جس کے نتیجے میں ۱۰ پولیس والے، ایک آفیسر اور ایک فوجی مارے گئے۔ اس سے قبل ۹ اکتوبر ۲۰۱۶ء کو ارسا کے حملے میں ۴ فوجی اور ۹ باڈی گارڈ ہلاک ہو چکے ہیں۔ اور اس کے سبب برمی افواج نے روہنگیا مسلمانوں پر زندگی تنگ کر دی۔

During the last week in August 2017 at the Myanmar/Bangladesh boarder in no-man's land along the Naf River, 20 Rohingya bodies were retrieved, 12 were children. The United Nations observers estimated that about 50,000 crossed in that same area in about one weeks' time.[10]

ترجمہ: اگست ۲۰۱۷ء کے آخری ہفتے میں میانمار اور بنگلہ دیش کی سرحد پر دریائے ناف کے ساتھ کوئی بھی انسان

موجود نہیں تھا، ۲۰ روہنگیا برادری کی لاشیں ملی جن میں ۱۲ بچے تھے۔ اقوام متحدہ نے مشاہدہ کیا کہ ۵۰،۰۰۰ افراد نے ایک ہفتہ میں یہ علاقہ عبور کیا۔

برما کی فوجی حکومت کے پاس یہ جواز کافی تھا کہ اراکان روہنگیا مسلمانوں نے حکومتی قوانین کو قبول کرنے کے بجائے احتجاج شروع کر دیا ہے۔ حالانکہ فوجی حکومت کے اقدامات انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی تھے۔ بہرحال ۱۹۷۸ء میں آپریشن ناگامن کی آڑ میں ایک لاکھ روہنگیا مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا۔ وسیع پیمانے پر مسلمانوں کی املاک کو جلایا گیا اور باقی رہ جانے والوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔

سیاسی جماعتوں کی بندش اور سوشلسٹ تنظیموں کا قیام:

جنرل نیون نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد ہی تمام سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا۔ حکومت نے ملک کے آئین میں اپنی اعراض کے لئے ترمیم کر کے برما سوشلسٹ پروگرام پارٹی (BSPP) کو قانونی حیثیت دی اور زندگی کے ہر شعبہ میں سوشلسٹ نظام اور نظریات کے فروغ کی غرض سے کی ذیلی تنظیمیں بنائی گئیں تاکہ مرکزی کنٹرول کو مضبوط بنایا جاسکے اور سوشلزم کا فروغ ہو۔

۱۔ بچوں کے لئے یوتھ لیگ بنائی گئی۔ جب اس لیگ کا کارکن بچہ ۱۸ سال کی عمر کو پہنچ جاتا تو قانون کی رو سے وہ از خود بی ایس پی پی کا ممبر بن جاتا۔

۲۔ کسانوں کو اشتراکی نظام میں نعروں اور نظریات کی حد تک بہت اہم اور لازمی فرد تصور کیا جاتا ہے۔ سو اسی غرض سے ان کے لئے ایک علیحدہ تنظیم بنائی گئی۔

۳۔ مزدوروں کی بھی علیحدہ تنظیم بنائی گئی لیکن ان تنظیموں کو یونین سازی کا حق حاصل نہ تھا۔

۴۔ برما کے بدھ معاشرے کو کنٹرول کرنے کے لیے بھکشوؤں کو استعمال کیا گیا۔ بھکشو اس سے پہلے جنگ آزادی میں نمایاں کردار ادا کر چکے تھے۔

۵۔ مارشل لاء کے بعد سے عملاً فوج کے ہاتھوں میں ہی ملک کا کنٹرول تھا اور سول انتظامیہ کی ۷۰ فیصد تعداد فوج پر ہی مشتمل تھی۔[11]

لہٰذا فوج میں بھی اشتراکی نظریات کی ترویج کے لیے تنظیم قائم کی گئی۔ اور نیون کے اشتراکی نظام میں سب سے پہلے مذہب کی بیخ کنی کے لئے اقدامات کئے گئے۔ ۱۱ فروری ۱۹۷۷ء کو برما کی فوج اور بحریہ پولیس

نے متحدہ طور پر بیک وقت مسلمانوں کو نکالنے اور ہلاک کرنے کے آپریشن کا آغاز کیا۔ حکومت مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکاتی رہی۔

The retired twenty military senior officials became the civilian officers of the Burmese Socialist Program Party (BSPP) state.12

ریٹائرڈ بیس فوجی سینئر افسران برمی سوشلسٹ پروگرام پارٹی (بی ایس پی) ریاست کے سویلین افسر بن گئے۔

مئی ۱۹۸۱ء میں مسلمانوں کے خلاف فسادات ہوئے۔ بہت سے افراد جان بچانے کے لیے ملائشیا کی طرف جارہے تھے کہ برمی بحری کشتیوں نے انھیں جالیا اور تین سو افراد کو ہلاک کر دیا۔ ان افراد کو رنگون سے ۱۱۲ کلومیٹر بوک بوکسین (Bok Boxin) میں ہلاک کیا گیا۔[13]

لوٹ مار، جائیدادوں کی تباہی، مساجد و مدارس کو منہدم کرنا، جبری مشقت، کاروبار میں مشکلات پیدا کرنا اور خواتین کی عصمت دری حکمرانوں کا روزمرہ کا معمول بن گیا۔ برمی بنانے کی پالیسی کے تحت برمی حکام اراکان میں بسنے والے روہنگیا مسلمانوں کی ثقافت اور روایات بدل ڈالنے کی کوشش کرتے رہے۔ اور اس کے لئے انہوں نے ہر حربہ استعمال کیا۔ جنرل نیون کی ناقص پالیسیوں کی وجہ سے ملکی معیشت کی حالت انتہائی ابتر ہو گئی تو رنگون سمیت بہت بڑے بڑے شہروں کی سڑکیں عوام، بالخصوص طلباء کے احتجاجی نعروں سے گونج اٹھیں اور حکومت کے خلاف مظاہرے شروع ہو گئے۔ جب نیون نے دیکھا کہ طلباء اور عوام میں اس کے خلاف مستحکم اتحاد بنالیا ہے تو اس نے توجہ ہٹانے کیلئے برما میں مسلم فتنہ اٹھا دیا۔ سارے ہنگاموں کے دوران میں سرکاری فورسز نے مسلمانوں کو خاص طور پر نشانہ بنایا۔ امن و امان کی حالت جب قابو سے قطعی باہر ہو گئی تو جنرل نیون نے ۲۶ جولائی ۱۹۸۱ء کو پارٹی کی جنرل کونسل کا اجلاس بلایا اور استعفیٰ دے دیا۔ تھوڑی سی بحث و تمحیص کے بعد استعفیٰ منظور کر لیا گیا اور اس کی جگہ جنرل سین لوئین کو صدر مملکت اور پارٹی کا چیئر مین بنا دیا گیا۔

سین لوئین کا دور حکومت اور تحریک جمہوریت:

سین لوئین کی بطور صدر تقرری کے فوراً بعد احتجاجی مظاہروں نے اور زور پکڑ لیا۔ اور اس کے ساتھ سین لوئین نے اپنی پر تشدد کارروائیاں جاری رکھیں۔ ۱۳ اگست ۱۹۸۸ء کو برما کے سرکاری ریڈیو نے حکومت کی جانب سے دارالحکومت میں مارشل لاء لگائے جانے کے فیصلے کا اعلان کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ملک گیر مظاہروں میں لاکھوں افراد نے حصہ لیا۔ ان حالات میں سین لوئین کی راتوں کی نیندیں اڑ گئیں۔ اور سین

لوئین کو اقتدار کے محض سترہویں دن ہی نیون کے کہنے پر استعفی دینا پڑا۔

On August 12, Sein Lwin, who had replaced long-time dictator Ne Win as president, resigned after 17 days in power.14

ترجمہ: ۱۲ اگست کو، سین لوئین، جنہوں نے طویل عرصے سے ڈکٹیٹر نیون کی جگہ صدر بنا تھا، نے ۱۷ دن اقتدار میں رہنے کے بعد استعفیٰ دے دیا۔

اس استعفیٰ کے بعد پارلیمنٹ اجلاس میں ڈاکٹر مونگ مونگ کو جو کہ پیشے کے لحاظ سے وکیل تھا برما کا نیا صدر منتخب ہوا۔

۱۹ اگست ۱۹۸۸ء کو برما کی یک جماعتی پارلیمنٹ کا اجلاس ہوا جس میں ڈاکٹر مونگ مونگ کو برما کا نیا صدر منتخب کر لیا گیا۔[15]

نئے صدر نے ملک میں اصلاحات کا اعلان کیا اور عوام سے مصالحت کی اپیل بھی کی۔ لیکن عوام کچھ سننے پر تیار نہ ہوئے اور حکومت کے خلاف مظاہرے جاری رہے۔ پُر تشدد اور ملک گیر ہنگاموں کے بعد ۱۸ ستمبر ۱۹۸۸ء کو فوج نے اقتدار پر قبضہ کر لیا لیکن ہنگامے جاری رہے اور ۱۸ ستمبر کو پر تشدد واقعات میں بیسیوں افراد ہلاک ہوئے۔ اسمبلی اور دیگر مملکتی اداروں کو توڑ دیا گیا تمام اختیارات فوج نے اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ ملک کا کنٹرول وزیر دفاع اور فوج کے چیف آف اسٹاف 'جنرل سامونگ' نے سنبھال لیا۔ نئے سربراہ نے ملک میں اقتصادی اصلاحات کا اعلان کیا۔ لیکن روزمرہ کی زندگی مفلوج ہوگئی حتیٰ کہ طیاروں اور ریلوے کی آمدورفت بھی بند ہوگئی۔ تعلیمی اور تجارتی ادارے، بینک اور سرکاری دفاتر بند رہے۔ شہر کے مرکز کے باہر تقریباً پانچ لاکھ افراد نے ایک مظاہرے میں حصہ لیا۔ اس اہم مظاہر سے آنگ سان سوئی نے بھی خطاب کیا۔

آنگ سان سوچی[16]:

برما کی آزادی کے ہیرو جنرل آنگ سان کی بیٹی، برما میں آمریت کے خلاف سب سے بڑی آواز بلند کرنے والے، آنگ سان سوچی ۱۹ جون ۱۹۴۵ء کو پیدا ہوئیں۔[17]

والد کے قتل کے وقت آنگ سان سوچی کی عمر صرف دو برس تھی۔ آنگ سان سوچی ۱۹۶۰ء میں پہلی بار بھارت گئیں جہاں ان کی ماں کھن سوچی کو برما کا سفیر مقرر کیا گیا۔

In 1960 she went to India with her mother Daw Khin Kyi, who had been appointed Myanmar's ambassador in Delhi.[18]

۱۹۶۰ء میں وہ اپنی والدہ ڈو کھن سو چی کے ساتھ ہندوستان چلی گئیں، جنھیں دہلی میں میانمار کی سفیر مقرر کیا گیا تھا۔

۱۹۶۴ء میں آنگ سان سو چی آکسفورڈ یونیورسٹی پہنچی جہاں انہوں نے فلسفے، سیاست اور اکنامکس کی تعلیم حاصل کی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران ہی آنگ سان سو چی کی اپنے شریک حیات مائیکل ایرس سے ملاقات ہوئی۔

Four years later she went to Oxford University in the UK, where she studied philosophy, politics and economics. There she met her future husband, academic Michael Aris.[19]

ترجمہ: چار سال بعد وہ برطانیہ کی آکسفورڈ یونیورسٹی چلی گئیں، جہاں انہوں نے فلسفہ، سیاست اور معاشیات کی تعلیم حاصل کی۔ وہیں اس نے اپنے مستقبل کے شوہر اکیڈمک مائیکل ایرس سے ملاقات کی۔

کچھ عرصہ تک جاپان اور بھوٹان میں رہنے کے بعد آنگ سان سو چی نے برطانیہ میں مستقل سکونت کا فیصلہ اور ایک گھریلو ماں کی طرح اپنے دو بچوں، الیگزینڈر اور کم کی پرورش شروع کی۔ ۱۹۸۸ء میں اپنی علیل ماں کی تیمارداری کے لیے واپس برما پہنچ گئیں۔ انہوں نے برما میں پہنچ کر تقریر کے دوران کہا کہ برما میں جو کچھ ہو رہا ہے میں اس سے لاتعلق نہیں رہ سکتی۔

جدوجہد:

آنگ سان سو چی نے عدم تشدد کے فلسفلے پر عمل کرتے ہوئے ملک میں پُرامن ریلیوں کا انعقاد کیا اور ملک میں جمہوریت کی کوششیں جاری رکھیں، لیکن فوجی حکمرانوں نے طاقت کے بے دریغ استعمال سے ان کی پُرامن جدوجہد کو کچل کرر کھ دیا۔

۱۹۹۰ء میں ہونے والے انتخابات میں آنگ سان سو چی کو نااہل قرار دیے جانے اور حراست کے باوجود ان کی سیاسی جماعت نے انتخابات میں زبردست کامیابی حاصل کی۔ برما کے فوجی حکمرانوں نے ۱۹۹۱ء میں ان کی جماعت نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی کی کامیابی کو ماننے سے انکار کر دیا اور آنگ سان سو چی کو حراست میں لے لیا۔ دوران حراست ہی آنگ سان سو چی کو امن کا نوبل انعام سے نوازا گیا۔

Ms Suu Kyi remained under house arrest in Rangoon for six years, until she was released in July 1995.[20]

ترجمہ: محترمہ سو چی چھ سال تک رنگون میں نظر بند رہی، جب تک کہ انہیں جولائی ۱۹۹۵ میں رہا نہیں کیا گیا تھا۔

دو عشروں میں پہلی بار انتخابات میں آنگ سان سوچی کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں تھی لیکن اس کے باوجود بھی وہ برما کے لوگوں کے لیے امید کی نشانی ہے۔ آنگ سان سوچی کو ۱۹۹۵ء میں رہا کر دیا گیا لیکن ان کی نقل و حرکت پر پابندیاں برقرار رکھی گئیں۔ ۲۰۰۹ء میں آنگ سان سوچی کو حراست کی خلاف ورزی کے الزام میں اٹھارہ ماہ کی سزا سنادی گئی۔

نومبر ۲۰۱۰ء میں برما کی فوجی حکومت نے ان کی رہائی کا اعلان کیا جس کا پوری دنیا میں خیر مقدم کیا گیا۔[21]

۲۰ جولائی ۱۹۸۹ء سے ۱۳ نومبر ۲۰۱۰ء تک آنگ سان سوچی مقید رہی۔ پھر تقریباً ۲۱ سال بعد رہائی ملی۔

آنگ سانگ سوچی اور روہنگیا مسلمانوں کی اُمیدیں:

برما کی حکومت کے کام پر بات کی جائے تو ایک بات واضح ہے کہ کوئی خاص پیش رفت روہنگیا کے عوام کے لیے دیکھنے میں نہیں آئی۔ مغرب نے نئے ہونے والے انتخابات کو بڑی مسرت کے ساتھ دیکھا تھا جس میں نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی (NLD) کی سربراہی آنگ سانگ سوچی نے کی تھی۔ روہنگیا کے مسلمانوں نے برسوں سے تشدد، اخلاقی اقدار کی پامالی کو برداشت کیا ہے جو کہ برما کی سابقہ فوجی حکومتوں کے ہاتھوں کی گئی۔ سب جانتے ہیں کہ میانمار کی نئی راہنما بھی ان کی حالت زار کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں دے رہی۔ اس نے توان کو اپنے ناموں سے پکارنے سے بھی انکار کر دیا، اس ڈر سے کہ کہیں اسلام مخالف بدھ مت اکثریت جو کہ آخری انتخابات میں ایک بڑی طاقت تھی، ناراض نہ ہو جائے۔

مئی ۲۰۱۶ء میں ایک خبر آئی تھی کہ برما کی آنگ سوچی نے امریکا کے قونصل خانے سے درخواست کی تھی کہ روہنگیا کی اصطلاح استعمال نہ کی جائے کیونکہ یہ ایک متنازعہ معاملہ ہے اور ایسے الفاظ کا استعمال ریاستِ اراکان کے مسئلے کو مزید الجھادے گا۔[22]

امریکا نے اس درخواست کو رد کر دیا کیونکہ یہ درخواست ناقابل قبول تھی۔ اراکان کے لوگ روہنگیا کو "بنگالی" کہتے ہیں، اس طرح وہ انہیں غیر قانونی بنگالی مہاجرین قرار دیتے ہیں۔ سوچی نے ایک اور pang-long طرز کی امن کانفرنس کا کہا ہے، اس بات کو دوبارہ اجاگر کرنے کے لیے جو ان کے والد جنرل آنگ سان نے ۱۹۴۷ء میں اپنے قتل سے پہلے فسادات کرنے والے چند گروہوں سے کی تھی۔ حالیہ امن مذاکرات میں صرف ان

گروہوں کو شریک کیا جارہا ہے جو ۱۹۸۲ء کے متنازعہ فوجی ایکٹ کی روشنی میں مقامی افراد کہلاتے ہیں، روہنگیا اس ایکٹ کے تحت مقامی شہری نہیں ہیں، اس لیے ان کو اس امن عمل سے باہر رکھا جائے گا۔

برما کے نئے صدر "ہیٹان کیاؤ" نے اراکان ریاست میں امن و امان اور ترقی کے لیے ایک کمیٹی بنائی ہے، جس کا نام "مرکزی کمیٹی برائے امن و ترقی، ریاستِ اراکان" (Government forms a Central Committee for the Implementation of Peace and Development in Rakhine State)[23] ہے، جو کہ ۲۷ ارکان پر مشتمل ہے جس میں بیوروکریسی اور ریاستِ اراکان کے نمائندے بھی شامل ہوں گے، اس کی سربراہی آنگ سوچی خود کریں گی۔ لیکن روہنگیا مسلمانوں کو اس بات کا خطرہ ہے کہ یہ صرف بیوروکریسی کی ایک چال ہے تاکہ کوئی مؤثر فیصلہ نہ کیا جاسکے، اور انہیں ڈر ہے کہ ان کے معاملات کو زیر غور لایا ہی نہیں جائے گا۔ دوسری طرف حکومت اس بات کے لیے بھی کوشاں ہے کہ وفاقی طرز کا آئین مرتب کیا جائے جو کہ دیگر نسلی اقلیتوں کو مطمئن کرسکے۔ NLD میں روہنگیا کی کوئی ترجمانی بھی نہیں ہے۔ بلکہ پچھلے کئی سالوں میں ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ انتخابات کے بعد سے اب تک ملک میں کوئی ایک بھی مسلم قانون ساز موجود نہیں، حالانکہ مسلمانوں کی تعداد برما میں ۳ ملین سے بھی زیادہ ہے۔ آنگ سانگ سوچی جانتی ہیں کہ برما میں کوئی سیاسی حلقہ روہنگیا کی مدد کے لیے نہیں آئے گا اور ان کا کوئی مؤثر مسلح گروہ بھی نہیں ہے۔ خدشہ اس بات کا ہے کہ اس موضوع کو دبانے کا بھاری نقصان ہو سکتا ہے کیونکہ حالات ویسے ہی نازک ہیں۔ آبادی سے جدا کرکے انہیں ویسے ہی پناہ گزین کیمپ میں محدود کر دیا گیا ہے۔

**انتخابات ۱۹۹۰ء:**

بین الاقوامی دباؤ اور حالات کو منظر رکھتے ہوئے فوجی حکام نے ۲۷ مئی ۱۹۹۰ کو انتخابات کرانے کا جو وعدہ کیا تھا اس کی پاسداری کا دن بہر حال آہی گیا۔ ان انتخابات کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے۔

این ایل ڈی کے حامی افراد کو تنگ کرنے کی غرض سے ۱۹۸۹ء میں ۳۰۰ مکانات ڈھادیے گئے جس سے تین ہزار افراد متاثر ہوئے۔ اوائل ۱۹۹۰ء میں ہی تمام نمایاں اپوزیشن رہنما گرفتار کر لیے گئے۔ ہزاروں سیاسی کارکنوں کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا اور ایک منصوبے کے تحت پہلے ہی مجرموں کو رہا کر کے جیلیں ان سیاسی قیدیوں کے لیے خالی کرائی گئیں۔

بین الاقوامی سطح پر ان پابندیوں کی مذمت کی جا رہی تھی۔امریکہ، آسٹریلیا اور ایشیا کے ۲۹ پارلیمنٹرین نے ۱۳ مارچ ۱۹۹۰ء کو سامونگ کو ایک خط میں آنگ سان سوچی پر سے تمام پابندیاں اٹھانے اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔[24]

لیکن ہٹ دھرم حکمرانوں نے اس مطالبے کو رد کر دیا ایک صاحب نے رنگون میں اس جیل کا دورہلرلے کہا کہ جیل میں ایک ہزار قیدی ہیں جن میں سے بیشتر ڈاکٹرز، وکلاء، انجینئر، مصنف اور دانشور ہیں یہ سب NLD سے تعلق رکھتے ہیں۔

"There reportedly remain over 1,100 political prisoners in Myanmar, including monks, lawyers, teachers, journalists, farmers, politicians, student leaders, writers and poets."[25]

ترجمہ: اطلاعات کے مطابق میانمار میں ۱۱۰۰ سے زائد راہبوں، وکلاء، اساتذہ، صحافیوں، کسانوں، سیاستدانوں، طلباءرہنماؤں، ادیبوں اور شاعروں سمیت سیاسی قیدیوں پر مشتمل ہیں۔

۱۹۹۰ء کے انتخابات میں سو(۱۰۰) کے قریب علاقائی جماعتوں نے اپنے نمائندے کھڑے کیے۔ برما کی پارلیمنٹ کی ۴۹۲ نشستوں میں سے ۴۸۵ پر انتخاب ہوا بقیہ سات ۷ نشستوں پر انتخابات ملتوی کر دیا گیا۔ ۲۱ جماعتوں کے ایک اتحاد کا نام یونائیٹڈ نیشنٹلیز لیگ فار ڈیموکریسی تھا۔ان کے علاوہ مزید پانچ سیاسی جماعتوں نے کل نشستوں پر امیدوار کھڑے کیے جبکہ بیس حلقوں میں سو ۱۰۰ کے قریب علاقائی جماعتوں نے بھی اپنے نمائندے کھڑے کئے۔[26]

برما کی سابق سرکاری پارٹی بی ایس پی پی کا نام جنرل سامانگ نے بدل کر نیشنل یونٹی پارٹی رکھ دیا تھا۔ اس پارٹی نے بھی ایک چھوٹے سے اتحاد کا سہارا لے کر الیکشن جیتنے کی ناکام کوشش کی۔ اس پارٹی کو مکمل سرکاری سرپرستی حاصل رہی لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اپنے اتحادیوں سمیت پندرہ فیصد ووٹ حاصل کر سکی اور بمشکل دس نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔ جبکہ این ایل ڈی نے ۴۸۵ میں سے ۴۰۰ نشست جیت لی۔

However, the military government did not acknowledge the result of the 1990 elections and refused to transfer power to the winning opposition party, the National League for Democracy (NLD).27

ترجمہ: تاہم، فوجی حکومت نے ۱۹۹۰ء کے انتخابات کے نتیجے کو تسلیم نہیں کیا اور فاتح حزب اختلاف کی پارٹی، نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی (این ایل ڈی) کو اقتدار منتقل کرنے سے انکار کر دیا۔

انتخابات میں عوام کا مینڈیٹ کھل کر سامنے آ گیا لیکن حکمران اقتدار منتقل کرنے کے بجائے مختلف مطالبات کرنے لگے۔ انتخابات کے بعد SLORC (State Law and Order Restoration Council)[28] کے ذمہ داران کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں انہوں نے طے کیا کہ اختیارات نئی حکومت کو اس وقت تک منتقل نہیں کیے جائیں گے جب تک وہ ان معاملات کی یقین دہانی نہ کرا دے کہ:

۱۔ نئی حکومت مسلح افواج کے ڈھانچے میں تبدیلی نہیں کرے گی اور نہ ہی کسی افسر کا تبادلہ کیا جائے گا۔

۲۔ تمام بین الاقوامی معاہدوں کی پابندی کی جائے گی جو کہ اس دوران میں حکومت نے کیے ہیں۔

۳۔ این ایل ڈی کی سیکرٹری جنرل آنگ سان سوچی برمی سیاست میں کردار ادا کرنے کی بجائے علیحدہ ہو جائیں۔

حکمران آنگ سان سوئی پر جو الزامات عائد کرتے ہیں اس کے لئے وہ ۱۹۴۷ء کے آئین کی شق ۴۷ (I) (i) کا سہارا لیتے ہیں۔[29]

آنگ سان سوچی کی جماعت این ایل ڈی کے ۱۰۰۰ سے زائد اراکین کو جیلوں میں بند کیا گیا۔ اور خود آنگ سان سوچی کی نظر بندی کی مدت میں اضافہ کیا گیا۔ سوچی کے شوہر کی آخری ملاقات یکم جنوری ۱۹۹۰ء کو ہوئی تھی۔ حکمران جماعت نے انہیں رنگون میں واقع ان کے گھر میں قید کر رکھا، عام لوگوں سے ان کو ملنے کی اجازت نہیں ۔سوچی کے عظیم جمہوری خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے انہیں نوبل پرائز دینے کا اعلان کیا گیا۔ اور دسمبر ۱۹۹۱ء میں سوچی کے ۱۸ سالہ بیٹے الیگزینڈر نے اپنی ماں کی جانب سے امن کا نوبل پرائز وصول کیا۔

Because of this event numerous senior leaders of NLD were arrested, including 2000 civilians and democrats throughout May to December 1990. In 1991 more than 25 parliamentarians was arrested and imprisoned falsely accused of threatening Myanmar national security.[30]

ترجمہ: اس واقعہ کی وجہ سے، این ایل ڈی کے متعدد سینئر قائدین کو گرفتار کیا گیا، جن میں مئی سے دسمبر ۱۹۹۰ء کے دوران ۲۰۰۰ عام شہری اور جمہوریت پسند شامل تھے۔ ۱۹۹۱ء میں ۲۵ سے زیادہ پارلیمنٹیرین کو میانمار کی قومی سلامتی کو خطرہ بننے کے جھوٹے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا اور انہیں قید کر دیا گیا تھا۔

حکمرانوں نے مختلف سیاسی جماعتوں کو غیر قانونی قرار دینے کا عمل جاری رکھا اور مزید ۹ سیاسی جماعتوں کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ جس سے ۱۹۹۱ء میں رجسٹرڈ ۲۳۵ پارٹیوں کی تعداد گھٹ کر اوائل ۹۲ء میں محض ۵۹ رہ گئی ۔ساتھ ہی این ایل ڈی کے کامیاب امیدواروں کو آئندہ انتخابات کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا۔

انتخابات اور مسلمان:

۲۷مئی ۱۹۹۰ء کو انتخابات کے سلسلہ میں تیار کردہ ووٹر لسٹوں سے بڑی تعداد میں اراکان کے مسلمانوں کو باہر رکھا گیا۔ اُن کے مقابلے میں غیر مسلموں کی تعداد کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا۔ منگڈاؤ اور بوتھیڈانگ میں غیر مسلموں کی تعداد تین فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن ان کو ووٹر لسٹوں میں ۲۰ فیصد ظاہر کیا گیا حتیٰ کہ بنگلہ دیش کے بدھوں کا اندراج بھی انہیں لسٹوں میں ہوا۔ اس کے برخلاف اراکان کے اصل باشندے روہنگیا مسلمانوں کے ناموں کو مختلف بہانوں سے خارج کر دیا گیا۔ کسی پر غیر ملکی ہونے کا الزام لگایا، کسی پر باغیوں سے ساز باز کرنے اور کسی پر شناختی کارڈ نہ ہونے کا الزام لگایا۔ اسی بنا پر ۹۷ فیصد مسلمان ووٹروں کو گھٹا کر محض ۸۰ فیصد کر دیا گیا۔ اسی طرح نشستوں کی تقسیم میں بھی امتیازی سلوک روا رکھا گیا۔

اراکان کیلئے کل ۲۶ نشستیں مخصوص کی گئی جن میں سے منگڈاؤ اور بوتھیڈانگ کے لئے جہاں مسلمانوں کی آبادی ۹۷ فیصد ہیں صرف چار نشستیں دی گئیں۔ ان علاقوں میں ہر ایک نشست کیلئے تین سے چار لاکھ ووٹرز تھے جبکہ دیگر علاقوں کے لیے فی حلقہ ایک لاکھ سے زائد ووٹرز نہیں۔

برما کی نئی قومی اسمبلی کے لئے پورے برما بشمول اراکان ۲۳ مسلمان منتخب ہوئے۔ اراکان سے چار مسلمان منتخب ہوئے۔ ان میں سے تین کا تعلق (NDPH) نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی فار ہیومن رائٹس سے ہے جبکہ بقیہ ایک کا تعلق اراکان میں آباد کمان مسلمانوں کی تنظیم (KNLM) کمان نیشنل لیگ فار ڈیموکریسی سے ہے۔ مذکورہ بالا دونوں تنظیموں نے ملک کی سب سے بڑی اپوزیشن پارٹی این ایل ڈی کے تعاون سے انتخاب جیتا تھا۔

The NDPH participated in 1990 Burmese general election and won 4 MP seats with the majority Rohingyas votes. [31]

ترجمہ: این ڈی پی ایچ نے ۱۹۹۰ء کے برمی عام انتخابات میں حصہ لیا اور روہنگیا اکثریتی ووٹوں کے ساتھ ۴ ایم پی نشستیں حاصل کیں۔

برما خاص سے ڈاکٹر تھان آنگ این ایل ڈی کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے اور بقیہ ۱۸ امیدوار برما کے دیگر حصوں سے کامیاب ہوئے جن کا تعلق مون اور شان کی ریاستوں سے تھا۔ نیون، سین لوئین، ڈاکٹر مونگ مونگ، جنرل سامونگ، تھان سین، ہٹان کیاؤ اور اب وین مائینٹ کا دور اراکانی مسلمانوں کے مصائب میں کمی کے بجائے اضافے کا باعث ہی بنا اور ہر لحاظ سے مسلمانوں کو کچلنے کی کوشش کی گئی ہے۔

برما میں جمہوری حکومت کا آغاز:

۲۰۱۰ء میں انتخابات ہوئے جس کے نتیجے میں طویل آمریت کی جگہ جمہوری حکومت تشکیل دی گئی لیکن جمہوریت میں بھی مسلمانوں کا بھلا نہ ہوا۔ ۲۰۱۲ء روہنگیا مسلمانوں کے لئے ۱۹۴۲ء کے بعد سخت ترین سال ثابت ہوا۔ ہزاروں لوگ شہید کیے گئے لاکھوں ملک بدر ہوئے لاتعداد خواتین کی عصمت دری کی گئی ۔جون ۲۰۱۲ء کے فسادات کا آغاز یوں ہوا کہ بدھ بھکشوانے زائرین کی ایک بس روانہ کی اور اس میں سے عمرہ کی ادائیگی کر کے واپس آنے والے دس مسلمان علماء کو باہر نکال کر موت کے گھاٹ اتار دیا بس کو آگ لگا دی گئی ۔حکومت نے متاثرہ علاقوں میں کرفیو لگا دیا اور فوج بھیج کر صحافیوں کو فساد زدہ علاقوں سے باہر نکال دیا۔

اراکان میں ۹۶۹ نامی بدھ تنظیم روہنگیا مسلمانوں کے خلاف پر تشدد کارروائیوں میں مصروف ہے۔ موجودہ عمل میں حکومت اور فوج اس تنظیم کی دہشت گرد کارروائیوں کی پشت پناہی کر رہی ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کا وہاں رہنا نا ممکن بنا دیا گیا ہے۔ برما کی موجودہ حکمران آنگ سان سوچی ایک مقبول سیاستدان ہیں۔

ان کے بر سر اقتدار آنے پر یہ امید کی جارہی تھی کہ وہ رجسٹریشن کے معاملے کو سیاسی انداز میں حل کرنے کی کوشش کریں گی لیکن فوج اور بدھ انتہا پسندوں کے دباؤ کی وجہ سے کچھ بھی نہیں ہوا۔[32]

دراصل آنگ سان سوچی بدھ برادری کے درمیان اپنا ووٹ بینک کم یا ختم نہیں کرنا چاہتی جس کی وجہ سے وہ روہنگیا برادری کے مظلوں کے حق میں کچھ بھی کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

انتخابات ۲۰۱۵ء:

آنگ سان سوچی بر سر اقتدار آنے کے بعد تاحال برمی عوام کا کوئی بنیادی مسئلہ حل نہیں کر سکی۔ جس میں خصوصی طور پر روہنگیا مسئلے پر آنگ سان سوچی بات کو ٹال دیتی ہے یا پھر روہنگیا پر ہی الزام عائد کر دیتی ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ برما کے فوجی طبقے کی تائید نہیں کھونا چاہتی۔ فوج کیساتھ مفاہمت کی پالیسی کی وجہ سے برما میں وہی سب کچھ ہو رہا ہے جو فوج چاہتی ہے۔

Four months later, on 8 November 2015, Myanmar held its first openly contested election in 25 years. The NLD won a landslide victory.[33]

ترجمہ: چار ماہ بعد، ۸ نومبر ۲۰۱۵ کو، میانمار نے ۲۵ سالوں میں اپنا پہلا کھلا مقابلہ لڑا۔ این ایل ڈی نے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔

مقامی بدھ راکھائنی رہنماء روہنگیا مسلمانوں کو قربانی کا بکرا بنا کر اپنی کی ناکامیوں کو چھپانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور قومی سیاست دان مظلوم روہنگیا مسلمانوں کے خلاف نفرت انگیز بیان کر دے کر ووٹ حاصل کرتے ہیں۔

In 2014, politicians are still using ethnic cleansing policies against the unpopular Muslim Rohingya as a tactic to gain Buddhist votes.34

ترجمہ: ۲۰۱۴ء میں اب بھی سیاست دان غیر مشہور روہنگیا مسلمانوں کے خلاف نسلی تطہیر کی پالیسی کو بدھ کے ووٹ کو حاصل کرنے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

بدھوں کی روہنگیا مسلمانوں کے خلاف نفرت کو آج بھی راکھائن کے سیاسی رہنماء اپنے ووٹ بینک کو بڑھانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ اسیاسی رہنماؤں کے منشور کا حصہ ہوتا ہے۔ اور بدھوں کے دلوں میں مظلوم روہنگیا مسلمانوں کے لیے نفرت اور بڑھ جاتی ہے۔ اور روہنگیا مسلمانوں کسی بھی جگہ محفوظ نہیں ہیں۔

Even Aung SanSuu Kyi, leader of the National League for Democracy (NLD), the prodemocracy opposition party against military rule, has refuted claims that the humanitarian situation for the Rohingya is dire. Instead, she has chosen to act like any other politician seeking favor with the majority of voters who support the ethnic cleansing policies.35

ترجمہ: نیشنل لیگ ڈیموکریٹک (این ایل ڈی) کی رہنما آنگ سان سوچی، اپوزیشن پارٹی نے فوجی حکومت کے خلاف دعویٰ کیا ہے کہ روہنگیا کے لیے انسانی صورتحال انتہائی خراب ہے۔ اس کے بجائے اس نے دوسرے سیاست دان کی طرح کام کرنے کا انتخاب کیا جو نسلی تطہیر کی پالیسیوں کی حمایت کرنے والے اکثریتی ووٹرز کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو۔

جس وقت سے برما نے اراکان پر قبضہ کیا ہے اس وقت سے لے کر آج تک مسلمانوں کے ساتھ اہل اقتدار اور بدھوں کا جارحانہ رویہ مسلسل جاری رہا ہے۔ خاص طور سے روہنگیائی مسلمانوں سے وحشیانہ تشدد اور قتل وغارت گری کی یلغار اپنے حدود کو پار کر چکی ہے۔

## حاصل بحث:

برما میں روہنگیا مسلمان کئی صدیوں سے آباد ہیں۔ مگر انگریزوں کے برصغیر چھوڑنے کے وقت میں روہنگیا مسلمان پاکستان میں شامل ہونے کے لیے جدوجہد، پھر خود مختار الگ ریاست بنانے کی تحریک کے باعث

ان کے بارے میں برمی حکمرانوں کے دلوں میں شک اور بد اعتمادی کے احساسات بڑھتے گئے۔ مختلف اوقات میں کے فسادات ہوتے رہے مگر اپنی آزادی سے لے کر ۱۹۸۲ء تک روہنگیا مسلمان بھی برما کے شہری ہی شمار ہوتے تھے۔ لیکن ایک ریفرنڈم کے ذریعے ۱۹۸۲ء کے قانونِ شہریت کے تحت برما کے ۱۳۵ نسلی گروہوں کو برمی شہریت دی گئی مگر روہنگیا نسلی گروہ کو شہریت نہیں دی گئی۔ اگلے سال یعنی ۱۹۸۳ء میں ہونے والی مردم شماری میں ان کو شمار ہی نہیں کیا گیا۔ برمی حکومت کا کہنا ہے کہ تاریخی و نسلی طور پر یہ لوگ بنگالی ہیں۔ چونکہ روہنگیا برما کے تسلیم شدہ ۱۳۵ نسلی گروہوں میں شامل نہیں ہیں۔ اس لیے یہ برما کے باقاعدہ شہری نہیں ہیں بلکہ قانونی اعتبار سے یہ بنگال کے غیر قانونی تارکین وطن ہیں جو برما کی راکھائن ریاست میں برما میں رہائش پذیر ہیں۔ بنگلہ دیش کا کہنا ہے کہ یہ تاریخی لحاظ سے کبھی بنگلہ دیش کے شہری نہیں رہے، یہ برما کے لوگ ہیں، اس لیے وہ بھی انہیں اپنے شہری تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ برما میں روہنگیا مسلمان انتہائی بُرے حالات میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ وہ مذہبی و معاشرتی مسائل کے ساتھ ساتھ بے تحاشا سیاسی مسائل سے دوچار ہیں۔

برما کے روہنگیا مسلمان اگرچہ آزادی کے بعد برمی انتخابات میں حصہ لیتے رہے اور کچھ ان میں برمی پارلیمنٹ تک بھی پہنچے۔ مگر جنرل نیون کے اقتدار میں آنے کے بعد ان کے تمام حقوق چھین لئے گئے۔ اور ان کی سیاسی تنظیمیں کالعدم کرکے ان کی سیاسی حیثیت ختم کر دی گئی۔ اور ان کے حقوق کے لئے آواز اٹھانے والا کوئی نہیں رہا۔ روہنگیا مسلمانوں کی آنگ سان سوچی سے بھی جو امیدیں وابستہ تھیں وہ بھی بے سود ثابت ہوئی۔ اس طرح وہ ایک سخت و پریشان زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

حل کے لے تجاویز:

(۱) میانمار کی حکومت کو سیاسی دباؤ کے ذریعے یہ باور کروانا ہو گا کہ اتنی بڑی تعداد میں انسانوں کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم رکھنا میانمار کے وجود کے لئے کسی بھی طور پر مفید نہیں ہو گا۔

(۲) برمی حکومت کے تعاون نہ کرنے کی صورت میں ان کا اکنامک بائیکاٹ کیا جائے۔

(۳) برما کی جمہوریت کی چیمپین اور نوبل انعام یافتہ سیاست دان آنگ سان سوچی کو بھی مسلمانوں کے لئے نرم گوشہ رکھ کر ان کے حقوق کے لئے آواز بلند کرنی چاہیے۔

(۴)ینگون اور اکیاب میں او آئی سی یا موتمر عالم اسلامی کا باقاعدہ دفتر کھولا جائے تاکہ عالمِ اسلام کے ذمہ داران روہنگیا مسلمانوں کے حالات سے کماحقّہ واقف رہ سکیں۔

(۵)عالمِ اسلام بلکہ پورے عالم کے انسان دوست ممالک سے مطالبہ ہے کہ وہ فوری طور پر برمی حکومت پر سفارتی اور اخلاقی دباؤ ڈالے تاکہ روہنگیا مسلمانوں کو ان کی شہریت سے محروم کرنے والے انسانیت سوز اور ظالمانہ قانون کو ختم کرے اور ان کی شہریت اور حقوق کو بحال کرے۔

(٦)رابطہ عالمِ اسلامی، موتمر عالمِ اسلامی اور او آئی سی نمائشی قراردادوں کے بجائے فوری طور پر موٴثر اور عملی قدم اٹھائیں۔

(۷)پاکستان کی تمام سیاسی اور مذہبی جماعتیں روہنگیا مسلمانوں کے تحفظ کے ایجنڈے کو اپنے بنیادی پروگراموں میں مقدم رکھیں اور ترجیحی بنیادوں پر اس معاملہ کو حل کرنے کی کوشش کریں۔

(۸)سب سے پہلے قانونی ترمیم کے لیے سیاسی جدوجہد کا ہونا ضروری ہے۔ چونکہ مسئلے کی جڑ بھی اور اس کا مستقل حل بھی حق شہریت سے جڑی ہوئی ہے اس لیے برما پر سفارتی اور انسانی حقوق کی سطح پر دباؤ بڑھا کر ۱۹۸۲ کے قانون شہریت میں ترمیم کروا کر روہنگیا کو شہریت اور تحفظ دلانے کی کوششیں تیز کی جائیں۔

(۹)روہنگیا کو چاہیے کہ دیگر اقلیتوں کے ساتھ رابطہ استوار کریں تاکہ ان کا معاملہ مزید مضبوط موقف اور حمایت کے ساتھ ابھر سکے۔ جب تک برما کے اندرونی سیاسی معاملات صحیح نہیں ہوں گے، تب تک حالات کا تبدیل ہونا ممکن نہیں۔

**حواشی**

[1] Moshe Yegar "The Muslims of Burma", A study of a minority Group, p:75

[2] مولانا مفتی عبدالشکور، برمی جمہوریت اپنے مظالم کے آئینے میں، غنی بک ڈپو برمی کالونی ۳٦جی لانڈھی کراچی، سن اشاعت ندارد، ص:۲۳

Muolana mufti Abdul shakoor, burmi jamhooriat apnay mazalim k aaienay main, ghani book depo burmi colony 36 G landhi Karachi, P:23

[3] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ نگارشات لاہور، مارچ ۱۹٦۳ء، ص:۴/۴۵۱

Urdu daira ma’arif islamia, shooba Urdu daira ma’arif islamia nigarishat Lahore, march 1963, P:4/451

[4] ایضاً، ص:۴/۴۵۲

Urdu daira ma'arif islamia, shooba Urdu daira ma'arif islamia nigarishat Lahore, march 1963, P:4/452

[5] معاہدہ پین لونگ: معاہدہ پین لونگ کے ذریعے تمام قومیتوں کو ان کی تہذیب و ثقافت اور تمدن کے تحفظ کی مکمل ضمانت دی گئی تھی۔ اور دس سال کے بعد متحدہ برما سے اسے علیحدگی کا مکمل اختیار ہو گا۔

[6] حفیظ الرحمٰن، پاکستان اور اس کے ہمسایہ ممالک، رحمانیہ کتب خانہ اردو بازار لاہور، ۲۰۰۳ء، ص:۱۰۳

Hafeez ur rahman, Pakistan aor is k hamsaya mumalik, rahmania kutub khana ardw bazar Lahore, 2003, P:103

[7] https://iracmyanmar.org/ (Accessed November 10, 2021)

[8] محمد الیاس انصاری، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، حراء پبلی کیشنز لاہور، ص:۵۳

Muhammad ilyas Ansari, arakani muslamano ki jaddu jihad aazadi, P:59

[9] The Burmese phrase is "dah go dah gyin, hlan go hlan gyin". Two different English translations of the speech can be read on the front page of the Rangoon *Nation* and the Rangoon *Guardian* of 9 July 1962. Part of *The Nation*'s headline of 9 July 1962 read 'General Ne Win States Give Us Time to Work: Obstructionists are warned: Will Fight Sword with Sword').

[10] R. Wright & E. McKirdy, Bodies of 20 Rohingya Muslims Pulled from River on Bangladesh Border. CNN World (31 August 2017), http://www.cnn.com/2017/08/31/asia/myanmar-bangladeshrohingya-bodies/index.html (Accessed November 12, 2021)

[11] محمد الیاس انصاری، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ص:۵۹

Muhammad ilyas Ansari, arakani muslamano ki jaddu jihad aazadi, P:53

[12] Huang, R. L. "Re-thinking Myanmar's political regime: military rule in Myanmar and implications for current reforms." *Contemporary Politics*, 2013, P: 1-15.

[13] روزنامہ جسارت کراچی، ۱۳ نومبر ۱۹۷۸ء

Daily jisarat, Karachi, November 13, 1978

[14] https://www.hrw.org/news/2013/08/06/burma-justice-1988-massacres (Accessed November 15, 2021)

[15] Muhammad ilyas Ansari, arakani muslamano ki jaddu jihad aazadi, P:124

محمد الیاس انصاری، اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی، ص:۱۲۴

[16] For complete details please visit: https://www.wikidata.org/wiki/Q36740 (Accessed November 15, 2021)

[17] Muhammad farooq azmi, muslamano ki qatal gah--- Burma, qalam foundation international Walton road Lahore, 2018, P:126

[18] https://www.bbc.com/news/world-asia-pacific-11685977 (Accessed November 20, 2021)

[19]Ibid

[20] https://www.bbc.com/news/world-asia-pacific-11685977(AccessedNovember20, 2021)

[21]https://ur.wikipedia.org/wiki/%D8%A2%D9%86%DA%AF_%D8%B3%D8%A7%D9%86_%D8%B3%D9%88_%DA%86%DB%8C (Accessed November 25, 2021)

[22] https://www.nytimes.com/2016/05/07/world/asia/myanmar-rohingya-aung-san-suu-kyi.html (Accessed November 25, 2021)

[23]https://www.president-office.gov.mm/en/?q=issues/rakhine-state-peace-and-stability/id-6391 (Accessed November 28, 2021)

[24]https://parlinfo.aph.gov.au/parlInfo/download/media/pressrel/UNS10/upload_binary/UNS10.pdf;fileType=application%2Fpdf#search=%22media/pressrel/UNS10%22 (Accessed November 28, 2021)

[25]http://www.nbcnews.com/id/9522002/ns/world_news-south_and_central_asia/t/report-myanmar-has-political-prisoners/#.Xm3fe6gzbIU (Accessed November 29, 2021)

[26] Daily jung Karachi, May 13, 1989

[27] The State in Myanmar, Taylor, R. Honolulu. Hawaii University Press. 2010, P: 409

[28] https://en.wikipedia.org/wiki/State_Peace_and_Development_Council (Accessed November 29, 2021)

[29] reprinted from asia week ,as "the people want freedom" in aris, ed, free from fear , P:233
https://www.ilo.org/dyn/natlex/docs/ELECTRONIC/79573/85699/F1436085708/MMR79573.pdf
(Accessed December 2, 2021)

[30] Chee Soon J., To Be Free: Stories From Asia: Decolonization, Nationalism And Separatism. London: I.B Tourris Publishers, 1998, P:23

[31] https://www.crwflags.com/fotw/flags/mm%7D.html(Accessed December 5, 2021)

[32] Chee Soon J., To Be Free: Stories From Asia: Decolonization, Nationalism And Separatism. London: I.B Tourris Publishers, 1998, P:23

[33] https://www.bbc.com/news/world-asia-pacific-11685977(Accessed December 7, 2021)

[34] Nicholas Kristof, "Myanmar's Appalling Apartheid," The New York Times, May 28, 2014,
http://www.nytimes.com/2014/05/29/opinion/kristof-myanmarsappalling-apartheid.html?smid=fb-share&_r=1# (Accessed December 7, 2021)

[35] 11 Emanuel Stoakes, "Aung San Suu Kyi is Turning a Blind Eye to Human Rights in the Name of Politics," The Guardian, November 26, 2013,
http://www.theguardian.com/commentisfree/2013/nov/27/aung-san-suu-kyi-is-turninga-blind-eye-to-human-rights-in-the-name-of-politics (Accessed December 10, 2021)